© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

حکومت و فرمانروائی کی کئی قسمیں ہیں، اس کی سب سے اعلیٰ وارفع قسم وہ ہے جسے قرآن مجید نے خلافت سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ اجتماعی ہیئت جس کا واحد نصب العین اُن مقاصد کی تکمیل ہے جو انبیاء علیہم السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے اور جنہیں ختم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے کمال کے ساتھ عملی زندگی میں نافذ کر کے نوعِ بشری کے لیے قیامت تک ایک نمونہ فراہم کر دیا۔ یہ خلافت ایک ایسا نظمِ اجتماعی ہے جس کے منشا، مقصد اور نوعیت کو علم سیاست کی کوئی قدیم و جدید اصطلاح کما حقہٗ بیان کرنے سے قاصر ہے۔ یہ حکومت و فرمانروائی نہیں بلکہ خدمت اور چاکری ہے، یہ کوئی قوتِ قاہرہ نہیں، بلکہ نیکی اور بھلائی کی طاقت ہے، یہ قوم، ملک اور اُس کے خزانوں پر کوئی غیر مسئول اقتدار نہیں، بلکہ امانت کا ایک ایسا بارِ گراں ہے جو خدا کا کوئی اطاعت گزار بندہ بڑے خوف کے ساتھ اٹھانے پر آمادہ ہوتا ہے۔ اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ قائم کرنے کے لیے اس کی آرزو اور تمنا نہیں کی جاتی۔ یہ بوجھ جب کسی شخص پر اُس کی اہلیت کی وجہ سے لاد دیا جاتا ہے تو وہ قوت کے اس سرچشمہ کو اُن بھلائیوں کو فروغ دینے کے لیے استعمال کرتا ہے جنہیں اسلام پروان چڑھانا چاہتا ہے اور اُن منکرات کے استیصال کے لیے اس سے مدد لیتا ہے جنہیں اسلام اس دنیا سے نیست و نابود کرنے کا آرزو مند ہے۔

جن مقدس ہستیوں نے اس بار کو پورے شعور اور احساس ذمہ داری کے ساتھ اٹھایا، انہوں نے اپنے ذاتی آرام و آسائش کو بالکل تیاگ دیا۔ اس کی ذمہ داریوں کے تصور سے وہ کانپ جایا کرتے تھے اور اپنے خالق اور مالک کے حضور میں بڑے سوز کے ساتھ اس قسم کی دعائیں کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ کَبُرَتْ سِنِّی، وَ دَقَّ عَظْمِی۔ بارِ الٰہا! مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے میری ہڈیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضعفت قوتی وانتشرت رعیتی فاقبضنی الیک غیر عاجز ولا ملوم۔

چھٹنے لگ گئیں۔ میری قوت جواب دینے لگی ہے، میری رعایا بہت پھیل گئی ہے، بس اب تو مجھے اپنے پاس اس حال میں بلالے کہ نہ میں نااہل قرار پاؤں اور نہ سزاوار ملامت۔

حکومت کی دوسری قسم مغربی طرز کی جمہوریت ہے۔ اس نظام کے چلانے والے حکومت کو خدا کی کوئی مقدس امانت نہیں سمجھتے لیکن اسے بہر حال قوم کی امانت ضرور خیال کرتے ہیں اور دورِ اقتدار میں اس امر کے لیے پوری دیانت داری سے کوشاں رہتے ہیں کہ وہ قوم کی امنگوں اور آرزوؤں کو بروئے کار لائیں۔ ان کے اندر گو خلافت کا بار اٹھانے والوں کی سی بے لوثی تو پیدا نہیں ہو سکتی لیکن چونکہ وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی پبلک لائف کی ہر حرکت کے ذمہ دار ہوتے ہیں اس لیے وہ اقتدار کے نشے میں بدمست ہو کر من مانی کارروائیاں کرنے سے ہمیشہ احتراز کرتے ہیں۔

حکومت کی ایک قسم وہ ہے جس میں حاکم یونانی دیوتاؤں کا سا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ رعایا کے دکھ درد سے بالکل الگ ہو کر محلات کے اندر عیش و تنعّم کی زندگی گزارتے ہیں۔ رعایا مرے یا جیئے انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اُن کی عیاشیوں کے لیے اگر ٹیکس کی مطلوبہ رقم فراہم ہوتی رہے تو پھر وہ اپنی رعایا پر ہمیشہ خوش رہتے ہیں۔ وہ اپنا فرض صرف اسی قدر سمجھتے ہیں کہ قوم کو غیر ملکی حملہ آوروں سے بچایا جائے یا اگر ملک کے اندر بدامنی پھیل گئی ہے تو اس کا قلع قمع کیا جائے۔ ان دو فرائض کے علاوہ اُن کا کوئی تیسرا فرض نہیں ہوتا۔ ملک کے اندر نظامِ تعلیم کس نہج پر مرتب کیا جائے، معاشرتی زندگی کو کس سانچے میں ڈھالا جائے اور اسی طرح کے بیشمار مسائل سے انہیں قطعاً کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ یہ طرزِ حکومت اگرچہ انسانوں کے لیے کسی لحاظ سے بھی مفید ثابت نہیں ہوا لیکن اس کا بہر حال ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ حاکم اگر معروفات کی توسیع و ترقی کے لیے کوئی التزام نہیں کرتا تو وہ منکرات کے پھیلانے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے بھی کوئی منصوبے نہیں بناتا۔ جو برائیاں اقتدار سے وابستہ ہوتی ہیں وہ محلات کی چار دیواری تک محدود رہتی ہیں اور عام آبادی میں اثر و نفوذ نہیں کرنے پاتیں۔ اس کے علاوہ عوام کو بھی اپنی تعلیمی اور ذہنی معاشرتی زندگی کی تشکیل و تنظیم میں کافی حد تک آزادی ہوتی ہے۔ وہ اپنے لیے جس قسم کا نظامِ تعلیم چاہیں مرتب کر سکتے ہیں۔ وہ اپنی عائلی زندگی، اپنے مذہبی معتقدات اور دینی تصورات کے مطابق بسر کرنے میں آزاد ہوتے ہیں اور برسرِ اقتدار طبقے کے ذاتی رجحانات اُن کی راہ میں حائل نہیں ہوتے۔

حکومت کی سب سے خوفناک قسم وہ ہے جس کا خمیر شہنشاہیت اور استعماریت سے اٹھایا گیا ہے۔ یہ حکومت کسی ایک فرد، خاندان یا کسی استعمار پسند قوم کی کبریائی قائم کرنے کے لیے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ اس حکومت کا مقصدِ وجود بندگانِ خدا کی خدمت کرنا نہیں ہوتا بلکہ انہیں تباہ و برباد کرنا ہوتا ہے۔ جبر و استبداد، سفاکی اور زیردست آزاری اس حکومت کے رہنما اصول ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے نہایت گھٹیا اور ذلیل قسم کے ہتھکنڈے استعمال کیے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے اس امر کی کوشش کی جاتی ہے کہ قوم کے اندر سے ایسے کمزور سیرت و کردار رکھنے والے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو محض اقتدار کی رضا جوئی کے لیے اپنے بھائی بندوں کا گلا گھونٹنے سے بھی دریغ نہ کریں۔ اس طرح قوم کی گردن پر ایک ایسا طبقہ مسلط ہو جاتا ہے جو اس کے مفادات کا دشمن اور بدخواہ اور اس کے خون کے پیاسوں کا دل و جان سے ہمدرد اور خیر خواہ ہوتا ہے۔ پھر اس طبقہ کی پوری قوت و طاقت کے ساتھ پشت پناہی کی جاتی ہے تاکہ اس کے ناپاک عزائم میں کوئی اضمحلال نہ پیدا ہونے پائے۔

دوسرے اس امر کا بھی پورا پورا اہتمام کیا جاتا ہے کہ قوم سیاسی اعتبار سے بالکل مفلوج رہے۔ چنانچہ جب بھی اس کے اندر سیاسی بیداری کی کوئی لہر ابھرتی ہے تو اسے پوری قوت کے ساتھ دبا دیا جاتا ہے۔ اُسے ہمیشہ اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ وہ جانوروں کی طرح کسی شعور و احساس کے بغیر مسلسل کام کرتی رہے، عالم بالا سے جو احکام صادر ہوں انہیں بلا چون و چرا بجا لاتی رہے اور برسرِ اقتدار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طبقہ کے کسی قول یا عمل پر کوئی حرف گیری نہ کرے اور اُسے اس امر کی پوری پوری اجازت دے کہ وہ اپنی منشا اور مرضی کے مطابق جس طرح چاہے جونک کی طرح اس کا لہو چوستا رہے۔

یہ مقاصد جتنے ناپاک ہیں اتنے ہی ناپاک ذرائع سے ان کا حصول ممکن ہے۔ چنانچہ آپ جب بھی استعمار پسندوں کی ذہنیت کا تجزیہ کریں گے تو آپ کو اُس کے پیچھے بجز تکبّر، نخوت، حرص و ہوا کی پرستش، بے ضمیری، بے حسی اور مردم آزاری کے اور کوئی چیز نہ ملے گی۔ تاریخِ انسانی میں اس بیمار ذہنیت کے بیشمار نمونے ملتے ہیں۔ ہم یہاں اُن کی صرف چند جھلکیاں دکھاتے ہیں جن سے اس ذہنیت کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

سنہ ۱۹۱۹ء میں مارشل لا کے نفاذ کے فوراً بعد جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا۔ یہ حادثہ اتنا دردانگیز تھا کہ اس پر ہندوستان کے طول و عرض میں صفِ ماتم بچھ گئی اور پوری انسانیت کا ضمیر تلملا اٹھا لیکن جن لوگوں کو اقتدار کے نشے نے بدمست کر رکھا تھا۔ اُن کے دل تاروں میں کوئی ارتعاش پیدا نہ ہُوا اُن میں سے کسی کی آنکھ پُرنم نہ ہوئی اور کسی کے سینے میں ندامت کا کوئی احساس بیدار نہ ہُوا۔ انہوں نے بے گناہ افراد کی موت کو اتنی بھی اہمیت نہ دی جتنی کہ کوئی شخص جانوروں کی موت کو دیتا ہے۔ اس دلفگار حادثہ کے سب سے بڑے ہیرو ڈائر نے ہنٹر کمیشن کے سامنے جو بیان دیا ہے اُس سے اس سفاکانہ ذہنیت کی پُوری پوری غمازی ہوتی ہے۔ یہ بیان بڑا ہی اہم اور عبرت انگیز ہے۔ ہم یہاں اُس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

"ہنٹر: جب فوج شہر میں گشت کر رہی تھی تو ہجوم کس حالت میں تھا؟

ڈائر: یہ لوگ بڑے شوخ اور گستاخ نظر آتے تھے۔

ہنٹر: تمہارے پاس اُن کے شوخ اور گستاخ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

ڈائر: وہ ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگا رہے تھے۔ میں نے انہیں منتشر ہو جانے کا حکم دیا مگر انہوں نے پس و پیش کی۔ میرے میجر نے مجھے بتایا کہ جب ہم گشت کرتے ہوتے اِدھر سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گذرتے تو کچھ نا ہنجار ہمیں دیکھ کر زمین پر تھوکتے تھے۔"

آپ مزاج کی برہمی ملاحظہ فرمائیں کہ محض چند انسانوں کے زمین پر تھوک دینے سے انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور یہ آگ معصوم عوام کے خون سے ہولی کھیلنے کے بعد بھی فرو نہیں ہونے پاتی۔ یہ غالباً اس برہمی کا اثر تھا کہ اس شخص نے جلیانوالہ باغ میں پہنچتے ہی لوگوں کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ اس ضمن میں اس ظالم کے بیانات بڑے ہی روح فرسا ہیں:

ہنٹر: کیا تم نے اس موقع پر لوگوں کو کوئی تشدد پسندانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے دیکھا؟

ڈائر: نہیں، میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی۔

ہنٹر: تم نے جلیانوالہ باغ میں داخل ہوتے ہی کیا اقدام کیا؟

ڈائر: میں نے گولی چلا دی۔

ہنٹر: کیا فوراً؟

ڈائر: ہاں فوراً! اس امر کا فیصلہ میں نے تیس سیکنڈ کے وقفے کے اندر کر لیا۔"

ڈائر کے اس جواب کا غور سے مطالعہ کیجیے اور دیکھیے کہ بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں جب عنانِ اقتدار آجاتی ہے تو وہ لوگوں کی جانوں کے بارے میں کتنی بے پروائی سے فیصلے کرتے ہیں۔ یہاں نہتے اور پُرامن عوام پر گولی چلانے کا معاملہ درپیش تھا لیکن اس فیصلے میں صاحب بہادر کو تیس سیکنڈ سے زیادہ کا وقفہ نہیں لگا۔ اس جواب میں برسرِاقتدار طبقے کی انانیت، خود پسندی، رعونت اور بے حسی اور مردم آزاری پوری طرح نمایاں ہے۔ اسی موضوع کے متعلق استفسار کرتے ہوئے ہنٹر کہتا ہے:

"یہ عین ممکن ہے کہ ہجوم میں بہت سے افراد ایسے بھی ہوں جنہیں تمہارے احکام کا علم نہ ہو۔ ان حالات میں کیا تمہارے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ تم گولی چلانے سے پیشتر ایک مرتبہ لوگوں کو منتشر ہو جانے کی ہدایت کرتے:

ڈائر: نہیں، مجھے کبھی اس امر کا احساس نہیں ہوا۔ میں نے فقط یہ دیکھا کہ میرے احکام کی تعمیل نہیں کی گئی۔ مارشل لا کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس بنا پر میں نے اپنا فرض منصبی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھا کہ گولی کے ذریعہ انہیں منتشر کردوں"۔

یہ ہے استعمار پسندانہ ذہنیت کا صحیح عکس۔ جب بھی اس قسم کی بیمار ذہنیت والے لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار کی باگیں آئی ہیں تو وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اُن کی کسی حرکت سے مخلوقِ خدا کا کتنا بھاری نقصان ہوتا ہے۔ انہیں ہمیشہ اس بات کی فکر دامنگیر رہتی ہے کہ کوئی شخص بھی ان کے کسی حکم سے سرتابی کرنے کی جسارت نہ کرے۔ وہ جس قسم کے ظالمانہ احکام صادر کرتے رہیں لوگ بلا ادنیٰ تامل انہیں بجالاتے رہیں۔ اس قسم کے لوگوں کا ظرف بڑا چھوٹا ہوتا ہے۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہوجاتے ہیں اور معمولی معمولی اختلافات پر نہایت ہی گھناؤنے مظالم کا ارتکاب کرنے سے نہیں چوکتے۔ کسی معاملے کے حسن و قبح پر سنجیدگی سے غور کرنا، صبر و تحمّل سے حالات کا مطالعہ کرنا، مشاہدہ کرکے کسی نتیجہ پر پہنچنا اور پھر احتیاط کے ساتھ کوئی فیصلہ کرنا اُن کے بس کا کام نہیں ہوتا۔ ان کی اشتعال گیر طبیعت ہمیشہ اس امر کی خواہاں رہتی ہے کہ اُسے بھڑکنے کا کوئی ادنیٰ سا موقع ہاتھ آئے تاکہ وہ قہرمانیوں کا مظاہرہ کرکے اپنے نفس کی تسکین کا سامان فراہم کرسکے۔

پھر اس ہوس پرستانہ ذہنیت کا یہ بھی ایک لازمی خاصہ ہے کہ اُسے اپنی صحیح حدود کا احساس نہیں رہتا جس کی وجہ سے اُس کے اندر انا و لاغیری کا غلط جذبہ پرورش پاتا ہے۔ چنانچہ اُس کے اندر آمریت اور خودپسندی کے نہایت خطرناک رجحانات اُبھرنے لگتے ہیں۔ ایسے افراد اپنے ہر فیصلے کو قطعی حتمی اور ہر خطا سے پاک اور منزّہ سمجھنے لگتے ہیں۔ غیر مسئول اقتدار کی چاٹ آہستہ آہستہ اُن کے اندر اس باطل خیال کی آبیاری کرتی ہے کہ اُن کا ہر حکم عدل و انصاف کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اور اس سے ہٹ کر جو دوسری صورت بھی اختیار کی جائے وہ لازمی طور پر حماقت اور بے وقوفی ہے۔

آپ ڈائر کے بیان میں اسی مجرمانہ ذہنیت کی پوری جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

ہنٹر ڈائر سے سوال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا تم نے گولی چلاتے وقت اپنے ساتھی پولیس افسر سے بھی مشورہ کرنا مناسب نہ سمجھا؟

ڈائر: ہاں میں نے اس معاملہ میں اُس سے کسی قسم کا کوئی مشورہ نہیں لیا۔ میں اپنے آپ کو ذہنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طور پر تیار کر کے گھر سے روانہ ہوا تھا کہ اگر میرے احکام کی سرِ مُو بھی سرتابی کی گئی تو میں فوراً گولیوں کی بوچھاڑ کر دُونگا۔

ہنٹر: گولی چلانے سے تمہارا مقصد کیا ہجوم کو منتشر کرنا ہی تھا؟

ڈائر: ہاں میرے پیشِ نظر صرف یہی مقصد تھا۔

ہنٹر: کیا ہجوم اُسی وقت منتشر ہونے لگا تھا جس وقت تم نے گولی چلائی؟

ڈائر: ہاں ہجوم فوری طور پر درہم برہم ہونا شروع ہو گیا تھا۔

ہنٹر: اگر ہجوم میں پہلی بوچھاڑ پر ہی بھاگڑ پیدا ہو گئی تھی تو تم نے اس سلسلہ کو مزید کیوں جاری رکھا۔

ڈائر: میں اسے اپنا بنیادی فرض سمجھتا تھا کہ جب تک وہاں ایک متنفس بھی موجود ہے میں برابر یلغار کرتا رہوں۔ اگر یہ حملہ ذرا کمزور ہوتا تو اس کا خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکتا تھا۔

ہنٹر: کیا تمہیں اس امر کا احساس نہیں کہ اگر تم گولی چلائے بغیر بھی ہجوم کو منتشر ہو جانے کا حکم صادر کرتے تو وہ فوراً تعمیلِ احکام کر دیتا؟

ڈائر: ہاں میرے نزدیک یہ عین ممکن تھا۔ یہ بات قرینِ قیاس ہے کہ ہجوم گولی چلائے بغیر ہی منتشر ہو جاتا۔

ہنٹر: پھر تم نے یہ دوسرا طریقہ کیوں اختیار نہ کیا؟

ڈائر: اس طریقے میں قباحت یہ تھی کہ لوگ کچھ وقت کے لیے تو منتشر ہو جاتے لیکن پھر واپس آ کر میرے اس رویہ پر خندہ زن ہوتے، میں نے ان کا ہدفِ استہزاء بننا پسند نہ کیا۔"

اس جواب کا مطالعہ کرتے وقت یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ مارشل لا کے نفاذ سے پہلے جب لوگوں کو اس قانون کے مضمرات کا کوئی شعور نہ تھا، یہ شخص ایک امن پسند ہجوم پر اچانک جا کر گولی چلا دیتا ہے اور پھر اسے اقتدار کا سوال بنا کر لوگوں کو نہ صرف ہر قسم کے مظالم کا تختۂ مشق بناتا ہے بلکہ کمیشن کے سامنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑے فخر اور تکبر کے ساتھ کہتا ہے کہ مَیں نے جو کچھ کیا ہے وہی بالکل صحیح اور درست ہے اور اس فعل میں مجھے کوئی قباحت نظر نہیں آئی۔ آپ اس کی خود پسندی کا مندرجۂ ذیل عبارت سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کمیشن کا ایک ممتاز رکن سینیل واد اسی موضوع (یعنی گولی چلانے کے علاوہ ہجوم کو منتشر کرنے کی کسی دوسری متبادل صورت) کے بارے میں سوال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ کیا تم نے اس کے متعلق کچھ غور کرنا بھی پسند نہ کیا؟

ڈائر: میں تمہارے مدعا کو اچھی طرح پا نہیں سکا۔ لیکن میں اس قدر جانتا ہوں کہ مَیں نے جو کچھ کیا ہے صحیح کیا ہے۔ اختیارات کی باگیں اس وقت میرے ہاتھ میں تھیں اور اس لیے میں نے جو کچھ سوچا وہی مبنی برحق تھا۔ اس بنا پر مجھے کسی متبادل صورت پر غور کرنے کی سرے سے ضرورت نہ تھی۔ جب کسی شخص کے سامنے صحیح چیز آجائے تو پھر اس کے علاوہ کسی دوسری چیز پر غور کرنا بالکل بے سود ہے۔

آپ ڈائر کے اس بیان کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ شیطنت جب اقتدار کا تخت سنبھالتی ہے تو اس میں کتنا غرور اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور اُس نخوت اور خود پسندی کے جراثیم کس حیرت انگیز سرعت کے ساتھ پرورش پاتے ہیں اور وہ لطیف احساسات سے کس طرح عاری ہو کر انسانوں کے ساتھ معاملہ کرتی ہے۔ جو مسائل صرف تلقین و ترغیب کی مدد سے بڑی آسانی کے ساتھ حل کیے جاسکتے ہوں اُن میں بھی انتہائی سختی کا رویہ اختیار کیا جاتا ہے تاکہ لوگوں کے حوصلے بالکل ٹوٹ جائیں اور وہ اپنی قومی امنگوں اور تمناؤں کے خود اپنے ہاتھ سے مدفن تیار کر کے اُن پر مجاوروں کی طرح یادوں کے دیئے جلاتے میں مصروف رہیں اور اس طرح آنے والی نسلوں کو عزائم کی قوت اور حوصلوں کی بلندی عطا کرنے کی بجائے مایوسیوں اور ناکامیوں کی تصاویر فراہم کر دیں۔ چنانچہ تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جب بھی شیطان نے اقتدار کا تخت بچھایا ہے تو اس نے چوروں، ڈاکوؤں اور قاتلوں سے تو نرمی برتنا گوارا کیا ہے لیکن ان لوگوں کو کبھی معاف نہیں کیا جو اپنے ضمیر اور ایمان کو اس کے پاس رہن رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ اس نے ہمیشہ اس قسم کے "باغی" لوگوں کی اس بے دردی سے خبر لی ہے کہ پوری قوم دہشت زدہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو کر بیٹھ گئی اور اقتدار نے پھر بالکل بے لگام ہو کر لوگوں کو اپنی ہوس کاریوں کا نشانہ بنایا۔

اس ضمن میں ذرا ڈائر کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ بے حس جنرل نہتے عوام کو کچلنے کے لیے اپنے ساتھ دو مشین گنیں اور کچھ بکتر بند گاڑیاں بھی لے گیا تھا لیکن اتفاق سے یہ توپیں راستہ تنگ ہونے کی وجہ سے ہجوم تک لے جائی نہ جاسکیں۔ اس پر مسٹر سیتلواد اس سے استفسار کرتا ہے:

"فرض کیجیے کہ راستہ اتنا کشادہ ہوتا کہ یہ مشین گنیں اور بکتر بند گاڑیاں اُس میں سے گزر سکتیں تو کیا تم ان کے دہانے کھولنے پر بھی آمادہ ہو جاتے؟

ڈائر: ہاں، کیوں نہیں!

سیتلواد: اس صورت میں کیا اموات زیادہ نہ ہوتیں؟

ڈائر: ہاں، یقیناً ایسا ہی ہوتا۔

سیتلواد: کیا ان توپوں کے استعمال کرنے میں بھی تم اتنی ہی عجلت سے کام لیتے جتنی عجلت کے ساتھ تم نے گولی چلانے کا حکم دیا ہے؟

ڈائر: ہاں میں اسی طرح کرتا۔

سیتلواد۔ تمہاری رپورٹ دیکھ کر اس امر کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تمہارے اس تشدد پسندانہ طرزِ عمل کے پیچھے عوام کو خوفزدہ کرنے کا جذبہ کار فرما تھا؟

ڈائر: آپ اس جذبہ کو جو نام دینا چاہیں اس معاملے میں آزاد ہیں۔ میں بہر حال لوگوں کو سزا دینے کا عزم بالجزم رکھتا تھا۔ میں فوجی نقطۂ نظر سے گولیوں کی اس بوچھاڑ سے وسیع تر اثرات مرتب کرنا چاہتا تھا۔

سیتلواد: یعنی تم نہ صرف امرتسر میں بلکہ سارے پنجاب میں خوف و ہراس پیدا کرنا چاہتے تھے؟

ڈائر: ہاں سارا پنجاب ہی میرے پیشِ نظر تھا۔ میں اُن کے حوصلوں کو مضمحل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، باغیوں کے بڑھے ہوئے حوصلے اسی سلوک کے مستحق تھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سیتل واد: کیا یہ اقدام کرتے ہوئے تم یہ سمجھ رہے تھے کہ عوام کو وحشت زدہ کرنے سے تم برطانوی راج کو بچانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔

ڈائر: نہیں، برطانوی راج تو ایک بڑی باجبروت قوت ہے۔ اسے کسی طرح کوئی خطرہ لاحق نہیں ہو سکتا۔ میں تو عوام کے جان و مال کی حفاظت کے لیے کوشاں تھا۔

سیتل واد: کیا تمہیں کبھی اس معاملے میں اس امر کا بھی احساس ہوا ہے کہ اس قسم کے اقدام کرنے سے تم برطانوی راج کو فائدے کی بجائے نقصان پہنچا رہے ہو۔

ڈائر: نہیں میں اسے بہت بڑی خدمت خیال کرتا ہوں۔ میرے اس رویہ سے لوگوں کو تنبیہ ہو جائے گی اور وہ کبھی شرارت پسندی پر آمادہ نہ ہونگے۔

ہنٹر: جنرل ڈائر! کیا تمہیں اس بات کا احساس نہیں کہ خواہ تمہیں مارشل لا کے تحت ہی انتظام و انصرام کرنا پڑے، تمہیں کوئی ایسا قدم نہ اٹھانا چاہیے جس سے عوام کے اندر انتظامیہ کے متعلق مستقل طور پر بددلی پھیلنے کا خدشہ ہو۔

ڈائر: ہاں یہ بات کسی حد تک درست ہے لیکن آخر ہمیں عوام کے لیے سامانِ عبرت بھی تو مہیا کرنا چاہیے۔

آپ اگر استعماریت کے ظالمانہ ہتھکنڈوں کا دقتِ نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ اس سامانِ عبرت کی فراہمی ہی سے استعمار کچھ دیر تک عوام کی گردنوں پر مسلط رہنے میں کامیاب ہوتا ہے۔ اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے معصوم لوگوں کو خاک و خون میں تڑپانے پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ضمیر و احساس کے ان سارے سوتوں کو بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جن سے اختلاف کی لہریں پیدا ہونے کا کوئی امکان بھی موجود ہو۔

اس مقصد کے لیے سب سے زبردست حملہ معصوم انسانوں کے ضمیر اور اُن کی عزتِ نفس پر کیا جاتا ہے تاکہ وہ بالکل مضمحل ہو کر بیٹھ جائیں۔ جنرل ڈائر نے اس سلسلے میں جو مختلف حربے استعمال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیے اُن میں پہلا حربہ یہ تھا کہ مجرم و معصوم کی تمیز کے بغیر جو کوئی ہاتھ لگتا اُسے بالکل برہنہ کرکے سر بازار کوڑے لگائے جاتے۔ اس کے علاوہ اس ظالم نے ایک خاص محلے کو، جس میں اُس کے قول کے مطابق ایک انگریز عورت کی توہین کی گئی تھی، ایک چبوترہ بنوایا اور امرتسر کے چند شرفاء کو جنہوں نے پولیس کی ظالمانہ کارروائیوں میں اس کا شریک بننے سے انکار کر دیا تھا، اس پر کھڑا کرکے اُن کی بڑے وحشتناک طریق سے پٹائی کروائی تاکہ وہ دوسرے "گستاخ لوگوں" کے لیے سامانِ عبرت بن سکیں۔

پھر اسی محلہ کے متعلق یہ حکم بھی دیا گیا کہ جس شخص کو بھی اس طرف سے گزرنا ہو، وہ سیدھا چل کر نہیں بلکہ رینگ کر اس فاصلے کو طے کرے۔ اس کے ساتھ ساتھ پورے شہر میں اس امر کا اعلان کیا گیا کہ جہاں کہیں بھی کوئی سفید فام نظر آتے اُسے فوجی آداب کے تحت سلام کرکے اپنی نیازمندی کا مظاہرہ کیا جاتے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ ان احکام سے عوام کو پوری طرح آگاہ کرنے سے پیشتر ہی گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پولیس اور فوج نے لوگوں کے دل و دماغ پر حکامِ وقت کی ہیبت بٹھانے کے لیے اُن کی بے تحاشا مرمت کی۔

ممکن ہے ایک سطح بین انسان ان سزاؤں کو اتنا لرزہ خیز نہ سمجھے جتنا کہ پھانسی یا قتل کو عام طور پر سمجھا جاتا ہے لیکن وہ لوگ جو انسانی نفسیات سے معمولی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس قسم کی سزاؤں سے انسان کی عزتِ نفس کو ناقابلِ تلافی صدمہ پہنچتا ہے، اِن سے اس کی خودی کی موت واقع ہوتی اور ان کی اذیت جھیلنے کے بعد وہ بسا اوقات انسانیت کے سارے قیمتی احساسات اور جذبات کھو بیٹھتا ہے اور آب و گل کا ایک متحرک پیکر بن جاتا ہے۔ آپ اگر جرم و سزا کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کے غیرتمند انسانوں کو جب ظلم و استبداد نے تختۂ دار پر لٹکایا تو انہوں نے بڑی جرأت مندی کے ساتھ جان کی بازی لگا دی لیکن جب اُن کی عزتِ نفس کو مجروح کرنے کے لیے کوئی قدم اٹھایا گیا تو وہ اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ دماغی توازن تک کھو بیٹھے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک شریف انسان کے لیے اپنی زندگی سے کہیں زیادہ اپنی عزت عزیز ہوتی ہے۔ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا سکتا ہے لیکن کسی ایسے وار کو برداشت نہیں کرسکتا جس میں اُس کے نفس کی تذلیل مقصود ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جتنی کوئی حکومت اخلاقی اعتبار سے کمزور ہوتی ہے اتنی ہی وہ شرفاء کی تذلیل کا سامان فراہم کرتی ہے تاکہ یہ لوگ خوفزدہ ہو کر لب کشائی کی جرأت نہ کریں۔ برطانوی ہند کی پولیس آزادی کے علمبرداروں کے ساتھ جس قسم کا انسانیت سوز سلوک کرتی رہی ہے اس کے تصور سے اب بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ قید و بند کے مصائب تو اُن مظالم کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے جو عزتِ نفس کو پامال اور برباد کرنے کے لیے غریب اور کمزور کارکنوں پر توڑے گئے اور یہ سب کچھ ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت سرانجام دیا گیا۔ کسی قوم کے ضمیر کو مُردہ کرنے، اس کی امنگوں اور آرزوؤں کو برباد کرنے، اُس کے عزم و ارادہ کو مضمحل کرنے اور اس کے اندر جرأت مندی اور حُریت کے جذبات کو کچلنے کے لیے دار و رسن کی سزا کبھی بھی مؤثر نہیں ہوتی۔ اس سے ذوقِ جنوں بڑھتا ہے۔ یہ ناپاک مقصد خودی کی موت سے ہی حاصل کیے جاتے ہیں۔ اس لیے استعمار اور شہنشاہیت نے ہمیشہ اس کی موت کا سامان کیا۔ استبداد کی ان دونوں قوتوں کو اس امر کا شدید احساس رہتا ہے کہ اگر عقل و شعور کو مفلوج نہ کیا جائے تو عوام ذہنی غلامی قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتے اور وہ حکمرانوں کے طرزِ فکر سے ہٹ کر سوچنے کی جسارت کر بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح اگر ان کے ضمیر میں زندگی کی کوئی رمق موجود ہو تو وہ ظلم و استبداد کا نہ تو آلۂ کار بننے پر رضامند ہوتے ہیں اور نہ اُسے خاموشی سے برداشت کر سکتے ہیں۔ ان کی زبانوں سے کبھی کبھی حرفِ شکایت نکل ہی جاتا ہے۔ ان کے اندر جب تک عزتِ نفس کا کوئی احساس باقی ہے تو ان کے لیے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ اپنی اور اپنے بھائی بندوں کی تذلیل پر مسرت و شادمانی کا اظہار کریں اور ظالموں کا ہاتھ روکنے، یا زبان سے اُن کی ریشہ دوانیوں کی مذمت کرنے کی بجائے دل و جان سے اُن کی تائید کریں۔ اس بنا پر استبداد اس وقت تک کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتا جب تک کہ اُسے اس بات کا پورا طرح یقین نہ ہو جائے کہ ملک کی بہت بڑی اکثریت کو یا تو شعور کی پستی نے انسانوں کے زمرہ سے نکال کر حیوانوں کی صف میں کھڑا کر دیا ہے، یا زینتِ حیاتِ دنیا کی چمک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس کی نظروں کو اس حد تک خیرہ کر دیا ہے کہ وہ ان لرزہ خیز مظالم کو دیکھنے سے قاصر ہیں جو ہر وقت اُن کے سامنے ہوتے رہتے ہیں یا اس کے ضمیر اس حد تک مُردہ ہو چکے ہوں کہ بڑے سے بڑا ظلم اور شدید سے شدید ناانصافی بھی اس کے اندر نفرت و حقارت کی کوئی تحریک پیدا نہیں کر سکتی۔ اس قسم کے بے شعور اور بے ضمیر پیکر خاکی استبداد کا اوّل روز ہی سے بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ وہ اپنی سوسائٹی میں خواہ کتنے ہی بے وزن ہوں اور اُن کی رائے خواہ کتنی ہی احمقانہ ہو لیکن ظالم حکمرانوں کے لیے اُن کی حیثیت گوہر ہائے نایاب کی سی ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ ڈائر اپنے بیان میں اس قسم کے لوگوں کی بے حد مدح سرائی کرتا ہے۔ جلیانوالہ باغ کے حادثہ نے ملک کے طول و عرض میں انگریزی سامراج کے خلاف نفرت کی ایک خوفناک لہر دوڑا دی اور پوری قوم نے اس پر شدید غیظ و غضب کا اظہار کیا۔ یہ حادثہ اتنا المناک تھا کہ خود انصاف پسند انگریزوں کا ضمیر تڑپ اٹھا اور حکومت کو اس کی تحقیق کے لیے کمیشن مقرر کرنا پڑا لیکن ڈائر کو اس سارے احتجاج میں سے کوئی چیز نظر نہ آئی اور اس نے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کمیشن کے سامنے کہا:

> "میرے اس فوری اور جرأت مندانہ اقدام کو ہندوستانی رؤسا نے سراہا اور انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے حالات کو بدتر صورت اختیار کرنے سے بچایا ہے۔"

گذشتہ صفحات میں ہم نے صرف جنرل ڈائر کی تصریحات نقل کی ہیں۔ لیکن یہ ذہن نشین رہے کہ ڈائر کوئی منفرد شخصیت نہ تھی جس نے محض وقتی جوش میں آکر یہ سارے مظالم ڈھائے۔ ڈائر ایک جابرانہ نظامِ حکومت کا نمائندہ ہے اور اس کے پورے طرزِ عمل میں درحقیقت اس جابرانہ نظام کی روح کارفرما ہے جس کا وہ محافظ اور پاسبان ہے۔ دنیا میں جب کبھی بھی اقتدار کے تخت پر ایسے لوگ متمکن ہوتے جو اس تمکن کے لیے کوئی اخلاقی جواز نہ رکھتے تھے تو انہوں نے ہمیشہ اس ظالم جرنیل کا سا رویہ اختیار کیا۔ ڈائر دراصل ایک ذہنیت ہے جو ہمیں ماضی اور حال کے بے شمار حکمرانوں کے اندر جلوہ گر نظر آتی ہے۔ اس ذہنیت کا یہ خاصہ ہے کہ وہ حکومت اور فرمانروائی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے قریب قریب وہی ہتھکنڈے استعمال کرتی ہے جو ڈائر نے کیے تھے۔ ان ہتھکنڈوں کو استعمال کیے بغیر وہ اپنے ناپاک مقاصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکتی۔

آئیے اب ہم یہ دیکھیں کہ ڈائرانہ ذہنیت اس قسم کے جابرانہ اقدام کیوں کرتی ہے

اس کی سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ بھی طاقت کے زور سے اقتدار کے تخت پر قابض ہوتے ہیں ان کے دل میں یہ چُھپا ہوا احساس ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ انہوں نے انسانوں کے ساتھ ایک بڑا شرمناک کھیل کھیلا ہے۔ یہ خلش انہیں احساس کہتری کے ہولناک مرض میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنی غیر معمولی طاقت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں۔ آپ اگر ان لوگوں کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ لوگ ہمیشہ سستی شہرت حاصل کرنے کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پولیس اور فوج کے ذریعے لوگوں پر اپنی ہیبت طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ یہ فکر دامنگیر رہتی ہے کہ اخبارات میں نمایاں تصاویر کے ساتھ ان کے ہر قول اور فعل کی تشہیر ہو، ملکی پریس اُن کے غیر معمولی تدبر اور ذہانت کا ڈھنڈورا پیٹے۔ اُن کی خدمت میں لمبے چوڑے سپاسنامے پیش کیے جائیں اور قوم اُن کے ناجائز تسلط اور اُن کی ریشہ دوانیوں کو یکسر نظر انداز کر کے انہیں نجات دہندہ تسلیم کرنے لگے۔ یہ حضرات لوگوں کو ہر آن یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کی یہ دراز دستیاں اور ستمرانیاں عوام کی بہتری اور بھلائی کے لیے ناگزیر ہیں۔ اس لیے وہ بالکل بادلِ ناخواستہ ایسا کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں اور وہ یہ سب کچھ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے کر رہے ہیں۔ اس میں اُن کی کوئی ذاتی غرض کارفرما نہیں۔ اس قسم کی فریب کاریوں کے لیے ان ظالموں نے عجیب و غریب قسم کے فلسفے گھڑ رکھے ہیں اور ان پر پردہ ڈالنے کے لیے وہ بسا اوقات بڑی ہی دلفریب اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر انگریزی استعمار کے ظلم و ستم کو اس قوم کے دانشوروں اور شعراء نے "سفید فام کی خدماتِ جلیلہ" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ انسانیت کو اس دھوکہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں کہ گوری قوم نے کالے لوگوں کی آزادی سلب کر کے اور اقتدار کی باگیں سنبھال کر اپنے اوپر ایک ناقابلِ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت بوجھ لادا ہے اور اس وجہ سے ملامت کی نہیں بلکہ شکریہ کی مستحق ہے۔ انگلستان کے شاعر رڈیارڈ کپلنگ کی مشہور نظم "سفید فام کا بار" اس ذہنیت کی پوری طرح غمازی کرتی ہے۔ یہاں اس کے چند اشعار کا ترجمہ دیا جاتا ہے:

"تم سفید فام کی ذمہ داریوں کو اٹھا دو
اپنی بہترین نسل کو اس کام کے لیے آگے بڑھاؤ
جاؤ اور اپنے نوجوانوں کو
جلاوطنی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کرو
تاکہ وہ تمہارے غلاموں کی ضروریات کی نگہداشت کر سکیں۔"
بپھرے ہوتے اور منہ زور لوگوں پر تسلط قائم کریں
وہ لوگ جو نو گرفتار ہیں
خودسر اور ضدی ہیں
شیطنت نے جن کا ابھی پیچھا نہیں چھوڑا
اور بچپن نے جنہیں اپنے چنگل سے ابھی تک آزاد نہیں کیا

یہ "بار" صرف سفید فام کے حصہ ہی میں نہیں آیا بلکہ ہر ظالم اور ستمگر اُسے اٹھا کر قوم پر اپنے احسانات جتلاتا ہے۔ دورِ جدید میں اس بار کی ترجمانی کرنے کے لیے انقلابی عزائم کی خوشنما اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی "من چلا" اپنی ہوسِ اقتدار کو پورا کرنے کے لیے قوم کی گردن پر بالجبر مسلط ہوتا ہے تو وہ اپنی اس ہوس پرستی کو انقلاب کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور عوام کو مطمئن کرنے کے لیے کہتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر چند انقلابی مقاصد ہیں جن کی تکمیل کے لیے اس نے یہ دردِ سر مول لیا ہے۔ ان مقاصد میں بجز لاف زنی کے اور کوئی چیز نہیں ہوتی۔

© rasailojaraid.com